السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تقدیر کیا ہے؟ اور انسان جو کچھ کر رہا ہے اچھا یا برا کیا وہ مشیت الہی کے تحت کر رہا ہے؟

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاۃ والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

اللہ کی قسم اگر یہ سوال ملحدوں یعنی دین اسلام کے دشمنوں کی طرف سے نہ ہوتا تو اپنے قلم کو ہرگز حرکت میں نہ لاتا، کیونکہ اس مسئلہ میں بے جا غور وخوض کرنا مومن کے لیے بے حد نقصان دہ ہے، لیکن دین اسلام کے دشمنوں کی سازش اور عوام کو گمراہ کرنے کی سوچی سمجھی ناپاک کوشش کو مد نظر رکھ کر اس موضوع پر قلم اٹھاتا ہوں اور اللہ سبحانہ وتعالی سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے حق کا کلمہ کہنے کی توفیق عطا فرمائے اور کلمہ حق تحریر کرنے کے لیے راہ آسان بنائے اور اپنے فضل سے میری ہر جگہ پر رہنمائی فرمائے۔ اللھم آمین

کوئی بھی کام کرنا ہوتا ہے یا کوئی جگہ بنانی ہوتی ہے، کوئی گاوں یا شہر آباد کرنا ہوتا ہے یا کوئی کارخانہ وغیرہ جاری کرنا ہوتا ہے مطلب کہ کوئی بھی اسکیم بروئے کار لانی ہوتی ہے تو اول اس کا نقشہ، اس کے اجزا، اس کے تمام پرزوں اور اس کے لوازمات اور ان میں واقع

اشیاء کی ترتیب اسی طرح اس کے متعلق کئی اشیاء کا تصور اور خاکہ، نقشہ یا نمونہ، ان کی ترتیب وترکیب، ان کے اجزا و لوازمات کے موضوع کی تقسیم اور ان کی ظاہری ہیئت اور کیفیت پورے کی پوری اولا تو ذہن میں بٹھانا پڑتی ہے، اس کے بعد اس کا مکمل خاکہ کو سپرد قرطاس کیا جاتا ہے بعد ازاں اس کے مطابق اس اسکیم کو عمل میں لایا جاتا ہے۔ اس حقیقت کو پوری طرح ذہن میں لانے کے بعد اب اصل موضوع کی طرف آتے ہیں، اللہ کی توفیق سے۔

پہلے چند اہم نکتے ذہن نشین کر لیجئے۔

الف : ۔۔۔۔۔۔ انسان کے سوا باقی پوری کائنات کا جس کا مشاہدہ کرتے ہیں انسان کے لیے ہی پیدائش ہے :

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (البقرۃ: ۲۹)

''اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے پیدا کیا ہے جو کچھ زمین میں ہے۔''

وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ (الجاثیہ: ۲۹)

''اور اللہ تعالی نے تمہارے لیے جو آسمانوں میں اور جو زمینوں میں ہے اس کو تابع بنایا۔''

بہر حال اس کائنات کے تمام اجرام علویہ وسفلیہ انسان کے تابع بنائے گئے ہیں اور انسان کے کام، منفعت اور فائدے کے لیے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ آج انسان چاند وغیرہ پر کمند ڈال رہا ہے، یعنی یہ سب کچھ جو ہم دیکھ رہے ہیں وہ سارا انسان کے کام آتا ہے، اگر یہ نہ ہوتے یا کچھ وقت کے لیے انسان کی دسترس سے دور ہو جاتے تو انسان بڑی مصیبت میں پڑ جاتا، لیکن اگر انسان نہ ہوتا تو ان اشیاء کو کوئی نقصان نہیں ہوتا، کئی انسان آرہے ہیں، اور جا رہے ہیں لیکن انسان کی آمد ورفت کا ان پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا، کسی بڑی ہستی کی موت پر کبھی ایسا نہیں دیکھا گیا ہے کہ سورج نے طلوع ہونا چھوڑا ہو یا دریا نے بہنا بند کیا ہو، یا سیارات اور ستارے غیر متحرک ہوئے ہوں بلکہ وہ اپنی مقرر ڈیوٹی ادا کرتے رہتے ہیں، لیکن اگر سورج طلوع نہ ہو یا لمبا عرصہ غائب رہے یا دریا بہنا بند یا کم پانی آئے تو خود سوچو کہ حضرت انسان کا کیا حال ہوتا۔

خلاصہ کلام کہ پوری کائنات انسان کے لیے ہے اور اس کی ضرورت کو پورا کر رہی ہے، مگر خود حضرت انسان ان میں سے کسی کے بھی خاص کام کے لیے نہیں ہے اگر وہ انسان چلا جائے تو ان پر کوئی نقصان یا اثر نہیں ہوتا وہ اپنا دائمی فرض بجالاتے رہتے ہیں۔

ب : ۔۔۔۔۔۔ جب اتنی بڑی وسیع کائنات انسان کے لیے ہے اور انسان ان کے کسی کام کا نہیں ہے تو پھر خود انسان کس کام کا ہے، جب انسان اس کائنات پر حکمرانی کر رہا ہے تو ظاہر ہے کہ پوری کائنات سے اشرف ہے، کیونکہ حاکم جن پر حکمرانی کرتا ہے وہ ان سے اعلی ہوتا ہے تو پھر کیا عقل اس بات کو تسلیم کرنے کے لیے تیار ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ کارآمد ہے اور وہ ہمارے لیے مفید خدمت سرانجام دے رہا ہے اور اس کا حکمران نکما اور بالکل بے مقصد و بے غرض وغایت نفع اور فائدہ سے یکسر خالی اور محروم ہے؟ عقل ہرگز اس بات کو تسلیم نہیں کرے گی، پھر سوچنا ہے کہ اس حکمران انسان کی تخلیق وپیدائش کی غرض وغایت کیا ہے، اس کو کیا فرائض انجام دینے ہیں؟ اس کا جواب بھی قرآن میں موجود ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریات:۵۶)

''میں نے جنوں اور انسانوں کو محض اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔''

یعنی جس طرح یہ پوری کائنات انسان کی خدمت کر رہی ہے اور اس کے فائدے کے لیے ہے، انسان جو بھی کام اس سے لینا چاہتا ہے وہ اس کے اس اردے کی تکمیل سے انکار نہیں کرتے بلکہ وہ جو کام بھی چاہے جائز ہو یا ناجائز لینا چاہے گا وہ ان کے حکم کی بجا آوری سے سرتابی نہیں کرتے۔ اسی طرح انسان اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بندگی بجالانے کے لیے اس خطہ ارضی پر آیا ہے تاکہ وہ اپنے حقیقی خالق بے حد رحم وحلم والے رب کے ہر معاملے پر کام کے لیے زندگی کے ہر شعبے میں مرضی رکھے اور اس کے حکم ارشاد رہنمائی اور مرضی کے مطابق چلے، انہی نکتوں کا نتیجہ اللہ کی کتاب و رسل علیہم السلام اور اس کے اوامر و نواہی زندگی کی طرز بود و باش کے متعلق رہنما اصولوں کی صورت میں اس دھرتی پر تشریف لائے کیونکہ جب انسان کو اللہ کی مرضی کے مطابق چلنا تھا تو لامحالہ اس کو یہ علم بھی دینا تھا کہ زندگی کے گوناگوں شعبوں کے متعلق اس کے رب کی کیا مرضی اور حکم و ارشاد ہے، اس کے لیے وحی کی ضرورت تھی۔

ج: ـــــــ۔ انسان اس دنیا میں ایک بڑی آزمائش اور امتحان گاہ میں ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا (الکہف:۷)

''زمین پر جو کچھ ہے اس کو ہم نے ان کے لیے خوبصورت بنایا تاکہ انسان کی آزمائش کی جائے کو کون ہے جو نیک عمل کرتا ہے۔''

یہ آزمائش ایسی نہ تھی کہ اس کو پتہ ہی نہ تھا، بلکہ اس لیے کہ یہ اس کا دستور ہے کہ وہ کسی کو بھی بغیر علم خواہ نیک ہو یا بد کے محض اپنے علم کے مطابق جزا اور سزا دے بلکہ کوئی بھی انسان جب بد ارادہ کرتا ہے تو اس وقت تک اس پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا جب تک ارادے کے مطابق عمل نہ کرلے۔ اسی طرح سورہ ملک میں فرمایا:

الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا (الملک:۲)

''وہ اللہ مالک الملک جس نے موت اور حیاتی کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ کون ہے تم میں سے جو نیک عمل کرتا ہے۔''

بہرحال یہ دنیا امتحان کی جگہ یا Examination ہے، تاکہ ان لوگوں کا امتحان لیا جائے کہ وہ جس عظیم مقصد کے لیے اس کرہ ارض پر آئے ہیں وہ مقصد کس طرح انجام دیتے ہیں، آیا بطریقہ کمال یا کم یا اس سے زیادہ یا بالکل اصل مقصد کے خلاف۔

د: ـــــــ۔ جب یہ دنیا امتحان گاہ اور ابتلاء کا مقام ہے تو ظاہر ہے کہ انسان کے سامنے دونوں راستے آئیں خیر و شر، نیکی اور بدی کی سمجھ آئے اور ان میں فرق کا بھی الہام کیا جائے اللہ کی پسند اور ناپسند کی معلومات ہو۔ اسی حقیقت کی طرف قرآن کریم ان دو آیات کریمہ میں ارشاد ہے:

وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ (البلد:۱۰)

''انسان کو دونوں راستے خیر و شر کے دکھائے۔''

فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا (الشمس:۸)

''اور نفس انسانی کی طرف برائی اور پرہیزگاری کا بھی الہام کیا۔''

جب انسان کے سامنے دونوں راستے ہیں اب چوائس اور انتخاب کا سوال پیدا ہوا، یعنی دونوں میں سے کسی راستے کا انتخاب کرے، اس لیے آزمائش خاطر یہ بھی ضروری تھا کہ انسان کو اتنا اختیار ملے کہ وہ دونوں میں سے کسی ایک کو اپنی مرضی اور ارادے کے مطابق اختیار کرے۔ اسی لیے اس کو اپنے کسی بھی ارادے کو عمل میں لانے کی قوت اور اختیار دیا گیا ہے، آزمائش کے لیے ضروری ہے کہ جس کو آزمایا جائے اس کو دونوں اطراف میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کی قوت ہو ورنہ اگر اس کو غلط یا برائی کا راستہ اختیار کرنے کا ایک قسم کا اختیار ہی نہ ہوتا تو پھر انسان، جمادات کی طرح ہوا یا مشینی صفت انسان ہوا جس کو نہ اپنا شعور ہے نہ کوئی ارادہ یا اختیار چلانے والے نے اس کو چلا دیا تو چل رہی ہے جب بند کیا تو بند ہوگئی، نہ اپنے ارادے سے حرکت میں آئی اور نہ ہی اپنے ارادے سے حرکت کو بند کیا ایسے انسان کے لیے جزا و سزا کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، مثلاً کوئی انسان مجنون یا دیوانہ ہے تو مرفوع القلم ہے، کسی کام کی وجہ سے شرعاً اسے سزا نہیں، کیونکہ اس میں عقل نہیں ہے، لہٰذا اس کے کام بے اختیار ہیں، عقل و ارادہ ماتحت نہیں ہیں۔ بہرحال انسان کو صاحب الارادہ والاختیار بنایا گیا ہے، تاکہ وہ اپنے اختیار سے کسی بھی راستے کا انتخاب کرلے اسی کے مطابق چلے اور پھر اس کا نتیجہ دیکھے۔

یہی ارادہ اور اختیار کسی حد تک آزادی کے ساتھ سارا امتحان اور اس کی جزا و سزا کی بنیاد ہے۔

ہ: ـــــــ۔ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر انسان کو اتنا اختیار دے کر اس امتحان حال میں کیوں لایا گیا ہے؟ یا ان کے آزمائش کی کیا ضرورت تھی؟

اس کے لیے یہ گذارش ہے کہ اول تو یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ذاتی معاملہ ہے ہم اس کے بارے میں کیا قیاس آرائی کرسکتے ہیں، تاہم ہمارے ناقص علم اور فہم میں جو حقیقت آئی ہے وہ یہاں عرض کرتے ہیں۔ (واللہ اعلم) انسان کی اس طرح صورت ری کرکے اسے گوناگوں لیاقتوں سے مزین بنا کر مختلف قوتوں سے مسلح بنا کر اور قدرے اختیار دے کر اس عالم رنگ و بو میں آزمائش کے لیے آمد سے اللہ تعالیٰ کی کتنی صفات حمیدہ کا ظہور ہوا اللہ تعالیٰ تو اپنی ذات

پاک میں غنی وحمید ہے ، لیکن اگران صفات اورلیاقتوں والاانسان نہ ہوتا تواللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صفت عدل ، رحم ، فضل ، کرم ، حلم برداری ، غفاریت والی صفت اور ہر چیز کے خالق ہونے کی صفت (پہلے لکھ چکے ہیں کہ یہ ساری کائنات انسان کےلیے ہی پیدا کی گئی ہے) بندوں سے محبت کرنا ، عفوودرگزر سے کام لینا کی صفات وغیرہ وغیرہ آخروہ کس طرح ظہورپذیر ہوئیں ۔ ملائکہ (فرشتے) توپہلے پیدا تھے مگر صرف ان کی پیدائش سے یا ان کی موجودگی سے اوپر ذکر کی گئی بے شمار صفتوں کا ظہور نہ ہوا کیونکہ ان فرشتوں کو کوئی اختیار نہیں ہے ، لہٰذا وہ کون سی خطائیں کہ الہ سبحانہ وتعالیٰ ان کو صفت غفاریہ سے معاف کرتے ، ان میں ظلم کا مادہ نہ تھا اور نہ ہی اس کو اختیار کرنے کی ان میں قوت تھی ، پھر اللہ تعالیٰ کی صفت عدالت کا کس طرح ظہور ہوتا ۔ علیٰ ہذاالقیاس دوسری کئی صفات کو سمجھا جاسکتا ہے ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اگر اتنی ساری مخلوق مع انسان پیدا نہ کرتے تو ان کو کون پہچانتا اگرچہ وہ خود تو ہمیشہ ہی سے اپنی ذات کے اعتبار سے غنی ، حید اور مجید تھا ۔ اسی طرح اس بااختیار انسان کو اس عالم میں بھیجنے سے کیا وجود میں آیا ہے ؟ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے متعلق فرشتوں کو فرمایا :

أَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ (البقرۃ:۳۰)

''یعنی انسان میں کیا کیا خوبیاں ہیں وہ کیا کیا کرسکتا ہے ، اس کو کتنا بڑا علم دیا گیا ہے ، اس میں کتنی سمجھ رکھی ہے ۔ اس کا علم آپ کو نہیں ہے ، یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کا ہی نتیجہ ہے کہ انسان زمین تو زمین مگر اجرام علویہ کے تسخیر کے احوال جاننے کےلیے کمربستہ ہو گیا ہے جن میں کچھ تک تو قدرے پہنچ بھی گیا ہے اور یا کیا عجیب وغریب چیزیں ایجاد کردیں ، یہی روز بروز کہاں سے کہاں تک پہنچ گیا ہے کیا یہ سارا کچھ علم کا کرشمہ نہیں ہے ؟ بہر حال اللہ تعالیٰ کے اتنے بڑے بے انتہا کا ظہور بھی انسان کی تخلیق سے ہوا ۔ مشہور مقولہ ہے ''حرورت ایجاد کی ماں ہے ''یعنی جب کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو اس کے حل کےلیے انسان کوئی نہ کوئی ایجاد یا راستہ تلاش کرتا ہے تاکہ اس کی وہ ضرورت وحاجت پوری ہوجائے ، اب سوچنا چاہیے کہ اگر ان ضرورتوں اور صفتوں والا انسان نہ ہوتا تو اس دنیا کی کسی بھی چیز سے کوئی ایجاد نہ ہوتی ، اس کائنات کے ذرے ذرے میں بے شمار قوتیں اور فائدے مالک کائنات نے رکھے ہیں ۔ ان کا کبھی بھی ظہور نہ ہوتا ، لیکن جب جب انسان کو ضرورتیں لاحق ہوتی گئیں ۔ تب تب وہ اس کائنات کے کیمیاء مظاہر اور اشیاء سے وہ خفیہ قوتیں اپنے تجربہ اور سائنس کے علم سے ظاہر کرکے اپنی ضرورتیں پوری کرنے کےلیے استعمال کرتا ہے اور اسی ابتلا اور بااختیار ہونے کی صورت سے انسان میں باقاعدہ ترقی کرنے اور ایک دوسرے سے سبقت لے جانے والا جزبہ پیدا ہوتا ہے ، ورنہ مشینی صفت مخلوق کیسی بھی ہوتی اس سے ایسی ایجادات وجود میں نہ آئیں ۔ وہ تو اپنی حرکت میں لانے والی تحریک پر ایک خاص سمت یا ڈائریکشن پر چلتا رہتا ، دوسری طرف توجہ کرنا یا ترقی کرنے کا شعور ہی نہ ہوتا ۔ لہٰذا ترقی یا گوناگونی اور رنگارنگی طرز وبود وباتوں کا تو خیال ہی نہیں آتا کیا یہ معمولی بات ہے ؟ کیا یہ بڑی حکمت نہیں ہے جو کہ ایک حکیم علیم ہستی کی طرف رہنمائی کررہی ہے ؟ اس پر خوب غور کرنا چاہیئے ۔

و : ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ انسان کو اتنے اختیار اور ارادے کو عمل میں لانے کی آزادی کی وجہ سے اس عالم میں لامحالہ نمونے ظاہر ہونے تھے کوئی خیر کو تو کوئی شر کو اختیار ، کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ تو کوئی اسفل السافلین کی طرف جانے کی سعی کرتا ۔ کوئی بلند اخلاق کا مجسمہ ہوتا تو کوئی بد اخلاقی کی بدترین مثال ہوتا ۔ کیونکہ بدی کا اختیار اس سے سلب کیا جاتا تو آزمائش کا بنیاد ی ختم ہوجاتا ۔ جس طرح تفصیلاً ذکر کرچکے ہیں ۔

ذ : ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت بالکل صحیح وسالم اور دین اسلام کے مطابق بنائی ہے جس طرح قرآن میں ہے :

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (الروم:۳۰)

''پس آپ اپنے چہرے کو یا توجہ کو دین پر قائم رکھیں اس حال میں کہ تو باطل سے حق کی طرف جانے والا ہوتا ۔''

یعنی وہ دین اسلام جس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی فطرت بنائی ہے ۔ صحیح حدیث بخاری وغیرہ میں ہے کہ :

((کل مولود یولد علی الفطرۃ)) (الحدیث)

''ہر بچہ اپنی صحیح فطرت پر ہی پیدا ہوتا ہے ۔''

اسی طرح سورۃ التین میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (التین:٤)

''بے شک ہم نے انسان کو ایک بہترین بناوٹ میں پیدا کیا ہے ۔''

بہر حال کسی بھی ماحول یا خاندان میں بچہ کا تولد ہو مگر وہ اپنی ماں کے پیٹ سے صحیح فطرت لے کر باہر آتا ہے ، یعنی کسی کو مسلمان یا کافر بنا کر پیدا نہیں کرتا ، لیکن اس عالم میں آنے کے بعد ماحول ، سوسائٹی ، خاندان اس کے رسم ورواج اور اس کے علاوہ دوسرے کئی اسباب اس کی فطرت کو بگاڑنے کا ذریعہ بنتے ہیں ۔ اس کے باوجود بھی ان کا فوری تدارک ہوا تو زائل ہوجاتے ہیں ورنہ آگے چل کر وہ لاعلاج اسٹیج پر پہنچ جاتے ہیں ۔ (اعاذنا اللہ منہا)

بہر صورت انسانی فطرت تو سب کی صحیح ہوتی ہے ، اس میں کوئی فرق نہیں ، البتہ انسانی لیاقت صلاحیت ، استعداد اور انسان میں رکھی ہوئی قوتوں میں کافی فرق ہوتا ہے ، ایک انسان میں قوت برداشت بہت زیادہ ہوتی ہے تو کئی انسانوں میں نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے ، کسی انسان میں کائی خاص لیاقت ہوتی ہے تو دوسرا اس سے محروم ہوتا ہے ، کوئی انجینئر ہے تو کوئی کامیاب ڈاکٹر ، کوئی ماہر وکیل ہے تو کوئی خطابت کا شہسوار ، کوئی حکمرانی ، بادشاہی یا امارت وسیادت کا حامل ہے ، تو دوسری طرف کوئی مزدوری کے علاوہ کچھ نہیں کرسکتا ۔ ایک انسان جسمانی قوت میں اوپر ہے تو دوسرا انہایت ہی کمزور ہے ۔ اسی طرح خارجی امور کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ قدرتی لحاظ سے اس میں بھی مساوات نہیں ہے ۔ ایک مالدار اور بڑا سرمایہ دار تو دوسرا فقیر اور محتاج ہے ، ایک شخص کے بے شمار اعوان ، انصار ، عزیز واقارب ، خاندان وقبیلہ کے بے شمار افراد ہیں جو ہر معاملے میں اس کے ساتھ ہوتے ہیں تو دوسرے بیچارے کا کوئی یار ودوست نہیں ہوتا ۔ ایک طاوسی تخت کی زینت بنا ہوا ہے تو دوسرے کو کوئی جوتوں کی جگہ پر بیٹھنے نہیں دیتا ۔ درحقیقت یہ اختلاف اس عالم کی زیب وزینت ہے جس طرح شاعر ذوق نے کہا ہے ۔

گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونق چمن

اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

مگر یہ اختلاف مصنوعی نہیں بلکہ قدرتی ہے۔ اس لیے کہ زندگی کا ہر شعبے میں انسان کی آزمائش ہوسکے جس طرح اللہ تعالی فرماتے ہیں :

وَہُوَ الَّذِی جَعَلَکُم خَلٰٓئِفَ الأَرضِ وَرَفَعَ بَعضَکُم فَوقَ بَعضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبلُوَکُم فِی مَآ اٰتٰکُم (الانعام : ١٦٥)

''اللہ وہ ہے جس نے تمہیں زمین کا خلیفہ بنایا اور تم میں سے ہی بعض سے بعض کو بلند کیا تاکہ جو کچھ تمہیں عطا کیا ہے اس کے متعلق تمہاری آزمائش کرے۔''

ظاہر ہے کہ اگر دنیا کے تمام انسان غنی او مالدار ہوتے تو مالی یا اقتصادی اور اجتماعی تعاون کے لحاظ سے ان کی کس طرح آزمائش ہوتی؟ اگر سارے طاقتور ہوتے یا سارے بے پرواہ ہوتے تو کسی محتاج یا کمزور، بیوہ اور مسکین کی مدد کرکے اس خوبی اور کمال کو انسان ذات کس طرح حاصل کرتی؟ حالانکہ زندگی کے تمام شعبوں میں اس کا ابتلاء ہونا تھا، اسی طرح اندرونی قوتوں میں بھی مساوات ہوتی۔ ایک دوسرے کا بر وتقوی میں تعاون کا سلسلہ ناپید ہوتا تو پھر کسی انسان کو کسی بھی صفت کی تعریف وثنا کا موقع ہی نہ ملتا۔ دنیا ایک خشک اور بہجت ورونق سے عاری ایک اکتانے والی یکسانیت کا بے ڈھنگہ نمونہ بن جاتی۔ ہم انسانوں کی یہ حالت ہے کہ کسی بھی معاملے یا کام یا امیر میں یکسانیت کو ہرگز پسند وبرداشت نہیں کرت۔ اسی لیے مالک الملک نے ہماری زندگی کو نیک دلچسپ نمونہ عطا کیا ہے، جس کے کسی بھی شعبے میں یکسانیت نہیں ہے۔ اللہ اکبر! اور اسی اختلاف کی وجہ سے لوگوں کے اعمال، عقائد، تصورات لائحہ عمل طریقہ کار حتی کہ نیک وبد میں بھی بڑا فرق اور تفاوت وجود میں آگیا جو ابتلاء کے لیے اختیار دے کر اس عالم رنگ وبو میں انسان کو بھیجنے کا لازمی نتیجہ تھا۔

ح : ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جب انسان کے تمام افراد کی فطرت صالح وسالم تھی تو پھر وہ خیر وشر میں کیسے تقسیم ہوا؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ دنیا عالم اسباب ہے اس دہری تقسیم کے بھی کئی اسباب ہیں، مثلاً ماحول سوسائٹی خاندانی رسوم وروایات، بری صحبت اور ساتھ۔ جس میں زیادہ لیاقت تھی وہ بارگاہ الہی میں زیادہ مقبول ہوا یا کسی دنیاوی اعلی مرتبے پر فائز مگر دوسرے میں وہ لیاقت نہ تھی یا کم تھی اس کو پہلے کے مرتبہ ومقام پر حسد ہوا اور نتیجتاً اس کوئی نہایت ہی غلط قدم اٹھا اور اپنے محسود کی جان کے درپے ہوا یا اسے نقصان پہنچانے کی سوچنے لگا۔ ایک کو جسمانی طاقت بے پناہ ملی ہوئی تھی، جس نے اسے اختیار کے مطابق اس کو غلط استعمال کیا اور اپنے کتنے ہی ہم نوعوں کی تباہی کا باعث بنا، کسی کو کوئی جسمانی ضرورت تمام زیادہ لاحق ہوئی مثلاً بھوک اور بدحالی وغیرہ یا جنسی ضرورت پوری کرنے کے لیے فوری کوئی ذریعہ نہ تھا، اس نے بجائے صبر کرنے کے بھوک مٹانے کی خاطر چوری کی یا ناجائز جگہ پر اپنی جنسی ضرورت کو پورا کرنا چاہا اسی طرح کئی دوسری امثال پش کی جاسکتی ہیں۔ اسی طرح ان دو بلاکوں میں تقسیم ہونا ناگزیر تھا، لیکن یہ سب کچھ قدرت کی طرف سے آزمائش تھی کہ بھوک اور بدحالی میں صبر کرتا ہے یا دوسرا راستہ اختیار کرتا ہے۔ بے حد ضرورت میں اللہ کی رضا پر راضی رہتا ہے یا نہیں جس کی تفصیل اوپر گزر چکی۔ حقیقت میں انسان کا کمال بھی اس میں ہے کہ وہ اس دنیا میں رہے اس کے اسباب مال ومتاع، اہل وعیال تمام باتوں سے دلچسپی رکھے اور پھر بھی اللہ کو راضی رکھے ورنہ اگر کوئی تارک دنیا ہو کر بیٹھ جائے تو اس میں کیا کمال ہے، قرآن نے تو انہی لوگوں کو سراہا ہے جو دنیا میں رہ کر اپنے رب کو راضی رکھتے ہیں۔ فرمایا :

رِجَالٌ لَّا تُلہِیہِم تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیعٌ عَن ذِکرِ اللّٰہِ (النور : ٣٧)

''وہ لوگ جو اپنے کاروبار میں معروف ومشغول بھی ہیں تاہم اس حالت میں بھی اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔''

نبی ﷺ نے خصی ہونے سے منع فرمایا ہے کیونکہ خصی آدمی میں برائی کی قوت ہی نہیں ہوتی، لہذا وہ اگر برائی نہیں کرتا تو اس میں کیا کمال ہے اور اس کی کس طرح آزمائش ہوگی، کمال تو اس میں ہے کہ انسان میں طاقت مردانی بے پناہ ہو اور وہ اس کو ناجائز جگہ پر استعمال نہ کرے محض اللہ کے ڈر اور خوف کی وجہ سے۔ اس کو راضی رکھنے کے لیے ایسے کام کے قریب بھی نہیں جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے حضرت یوسف علیہ السلام کے اس معاملے میں بڑی تعریف کی ہے اور فرمایا : ''وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھا۔'' (یوسف)

اسی طرح انسانی خوبیوں اور خامیوں کے موروثی اثرات بھی ہوتے ہیں۔ والدین کی جسمانی یا روحانی مادی یا معنوی خوبیاں اور خامیاں اولاد کی طرف منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ حتی کہ بعض بیماریاں بھی موروثی ہوتی ہیں، آج کل ''نفسیات'' (PsyChology) کے ماہرین کی بھی یہ تحقیق ہے کہ اولاد کی طرف آباواجداد کی صفتیں یا خصائل منتقل ہوتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ : ''حضرت آدم علیہ السلام سے خطا ہوئی تو اس کے اولاد میں یہ بات چلی، ان سے بھول ہوئی تو اس کی اولاد میں یہ بات چلی آرہی ہے۔ وغیرہ وغیرہ'' گویا ضروری اور حتمی نہیں ہے کہ خاندان یا والدین کی خصوصیتیں بالضرور اولاد کی طرف منتقل ہوتی ہوں، بلکہ نہیں بھی ہوتی۔ مقصد کہ یہ بھی ایک سبب ہوتا ہے جو گاہے بگاہے بعد کی اولاد کے سدھارے یا بگاڑ کا سبب بنتا ہے۔ میرا ایک چشم دید واقعہ ایک مزدور کی دو بیویاں تھیں، انسان کتنی بھی کوشش کرے لیکن دل کا میلان ایک کی طرف ہوتا ہے برابری اس معاملے میں ناممکن ہوتی ہے۔ اس آدمی کی دونوں بیویوں سے اولاد تھی۔ ایک بیوی سے زیادہ محبت اور دوسری سے تھوڑی کم محبت تھی، جس کی وجہ سے ایک بیوی کو دوسری پر زیادہ غم اور غصہ تھا اندر ہی اندر غصہ کی لہر موجود تھی۔ ایک دن وہ مرد اپنے چھوٹے بیٹے (جو زیادہ مح ت والی بیوی سے تھا) کو کندھے پر اٹھائے ہوئے تھا اور ساتھ ہی دوسرے کندھے پر دوسری بیوی کا چھوٹا بیٹا تھا، خاوند نے دوسری طرف توجہ کی تو چھوٹے بیٹے نے جو دوسرے آدمی کے کندھے پر تھا وہ اپنے دوسرے بھائی کا بازو پکڑ کاٹنے لگا (دانتوں سے) تو باپ نے دیکھ لیا اور اس سے چھڑایا، یہ دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی کہ کیا عجیب معاملہ ہے کہ ماں کے غم اور غصہ کا اثر چھوٹے بچے پر بھی نمایاں ہے، اللہ کی قدرت سے وہ بچہ پھر جلد ہی فوت ہوگیا، چونکہ دوسرا بیٹا اس سے چھوٹا تھا اس سے گمان ہو رہا تھا کہ اس عمر میں اگر اتنا غصہ ہے دوسرے بھائی پر تو بڑا ہو کر پتہ نہیں کیا کرے گا۔ دونوں مائیں اعلیٰ پوزیشن کی تھیں مرد بھی بڑی حیثیت کا تھا اور دوسری بیوی جس سے کم محبت تھی وہ خاندانی لحاظ سے ان دونوں سے بہتری تھی، اگر خدانخواستہ وہ بچہ ہوتا تو پتہ نہیں دوسرے بھائیوں کا کیا حشر کرتا لیکن عالم الغیب والشہادۃ نے اس کو پہلے ہی بلالیا۔

ط : ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کوئی بھی آدمی کوئی کارخانہ بناتا ہے یا کوئی میکینک یا مشین وغیرہ بناتا ہے تو اسے ان کے متعلق مکمل معلومات رہتی ہے، مثلاً کارخانہ میں فلاں چیز کہاں پر ہے یا کہاں رکھی جائے یا فلاں پرزے کا کیا کام ہے اس کی کارکردگی میں کیا کیا موانع ہوتے ہیں یا پیدا ہونے کے امکانات ہوتے ہیں، اس لیے وہ ان کی مرمت وغیرہ کے لیے اوزار اور آلات کو تیار رکھتا ہے تاکہ بوقت ضرورت ان کی فوری اصلاح ہوسکے، اگر کسی میں کوئی نقص یا خرابی پیدا ہوتی ہو تو فوراً سمجھ جاتا ہے، فلاں پرزے میں خرابی ہے تو کیا اللہ سبحانہ وتعالیٰ جس نے یہ کائنات پیدا کی ہے۔ اس کو اس کے بارے میں یہ علم نہیں تھا یا نہیں ہے؟ ایسی بے ہودہ بکواس کوئی جاہل ہی کرسکتا ہے کسی دوسرے میں جرات نہیں ہوسکتی، لیکن انسان کے اندر علم اور اندازے کی ایک حد اور انتہا ہوتی ہے وہاں پہنچ کر اس کا علم اور اندازہ ختم ہوجاتا ہے مگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا علم وسیع وعریض ہے جس کا اندازہ لگانے سے بھی انسان عاجز ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کے علم اور انسان کے علم میں یہاں فرق اور امتیازات ہیں وہاں یہ بھی ایک اہم فرق اور امتیاز جہاں انسان کو کسی پرزے میں نقص یا خرابی پیدا ہونے کا اندازہ خرابی
پیدا ہونے کے بعد ہوتا ہے، وہاں اللہ تعالیٰ کو اس کا پہلے ہی علم ہوتا ہے کہ دنیا کی فلاں چیز میں فلاں وقت یہ نقص یا خرابی پیدا ہوگی اور اس کے اسباب کا بھی پہلے ہی علم ہوتا ہے۔ اس خیر وشر کے یہ اسباب ہوتے ہیں، اس نکتہ کو خوب ذہن نشین کرلیں۔

ی : ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جب کوئی اسکیم بنائی جاتی ہے تو اس کا نقشہ اورخاکہ ذہن میں بٹھایا جاتا ہے ۔ اس کے ساتھ ساتھ اسکیم تیار کرنے والوں کے ذہن میں اس کے نتائج یا اس کو عمل میں لانے سے جو اردگرد کے ماحول میں اثرات مرتب ہوتے ہیں وہاں یہ بھی ذہن میں موجود ہوتے ہیں جن کو بعد میں کاغذ پر منتقل کیا جاتا ہے ، پھر اس کو عمل میں لانے کے لیے تیاریاں کی جاتی ہیں اور اس کی شروعات ہوتی ہیں ، لیکن انسان کا علم محدود ہوتا ہے جس کی وجہ سے کبھی کبھی نتائج اس کے منصوبے کے خلاف آتے ہیں یا اندازے سے کم ہوتے ہیں یا ان کے ساتھ کئی دوسرے نتائج بھی پیدا ہوجاتے ہیں ، جو اس کے ذہن میں نہیں ہوتے ۔ بسااوقات وہ پوری اسکیم فیل ہوجاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے مقرر منصوبے میں اس قسم کے نقص یا خرابی کا پیدا ہونا ناممکن ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم لامحدود ہے ۔

ان دس نکات کو ذہن نشین کرنے کے بعد اصل مسئلہ کی طرف آتے ہیں ، تقدیر کا معنی ہے اندازا ۔ اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں ارادہ کیا کہ اس عالم کو تخلیق کیا جائے اس کے متعلق پروگرام اور اسکیم اس کے علم میں موجود تھی جس کی تفصیل (گذشتہ نکات کی روشنی میں) اس طرح ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ ایک ایسی دنیا وجود میں لائی جائے جس کے وجود میں آنے کے بعد ہی اس کی مخلوق کو معرفت یا پہچان حاصل ہوگی اور مخلوق کو بھی پتہ چلے گا کہ اس کا بھی کوئی ایک رب وحدہ لاشریک لہ ہے ۔ جس نے اپنی پہچان اور صفات حمیدہ کے ظہور کے لیے اس دنیا کو پیدا کرنا چاہا ، جس میں ایسی مخلوق پیدا کرنا کا ارادہ کیا جس کے پیدا ہونے کے بعد اللہ کی صفات کا بوجہ اتم ظہور ہوا اور وہ مخلوق ایسی ہو حاجت عقل واختیار ہو مجبور محض نہ ہو اپنے ارادے سے خیر وشر کی راہ لے سکے پھر ان کو ارادے کی آزادی دے کر امتحان میں بتلا کیا تاکہ ان تمام صفات وغرض وغایات کا ظہور ہو ۔ (جن کی تفصیک نکات کے ضمن میں گزری) اس مخلوقات دنیا کے متعلق پورا خاکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ اس عالم میں جو مخلوق پیدا کروں گا وہ اپنے اختیار وارادے کی آزادی کے سبب لازمی طور چند بلاکوں میں بٹ جائے گی اور اس کے یہ نتائج لامحالہ اٹل طور پر نکلیں گے جو ان اعمال کے نتائج ہوں گے ، جس طرح مادیات کے بھی نتائج مشاہدے میں آتے ہیں یعنی کوئی اگر زہر کھاتا ہے تو ضرور مرجاتا ہے ، کوئی مقوی چیز کھاتا ہے تو اس سے اس کی قوت اور طاقت ملتی ہے بعینہ اسی طرح اعمال کے بھی اللہ تعالیٰ نے نتائج مقرر کردیے ، اچھے کام کا نتیجہ یہ اور برے کام کا یہ نتیجہ نکلے گا اور مخلوق کو ارادے کو عمل میں لانے کی آزادی دے کر اس کی آزمائش کرلوں گا تاکہ اپنے اختیار سے وہ جو چاہے کرسکے اس کو مجبور محض نہیں بناوں گا کہ وہ اپنی مرضی سے کوئی بھی کام نہ کرسکے کیونکہ یہ امتحان اور ابتلاء کے منافی ہے اور وہ جس بھی راستہ کو اختیار کرے گا اس کے اسباب بھی فراہم کیئے جائیں گے ۔ جو خیر کے لیے کوشاں ہوگا اس کے لیے بھی راہ ہموار ہوگی اور جو شر کی طرف مائل ہوگا اس کے لیے بھی دروازے کھلے ہوئے ہوں گے ۔

فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۷ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۱۰ (اللیل :۷ ' ۱۰)

کیونکہ آزمائش اس کے بغیر ناممکن ہے جس کی تفصیل نکات میں گزر چکی ہے ۔ اللہ تعالی کو اس دنیا کے نقشے کے مطابق یہ بھی علم تھا کہ اگر اس کی فطرت سالم ہوگی تاہم اس کو یہ اسباب سامنے آئیں گے ، یہ حالات درپش آئیں گے ، ان مسائل سے دوچار ہوگا ، اس کو یہ صحبت یسر ہوگی جس کا ساتھ دینے کے لیے یہ خاص امور سامنے آئیں گے ، جس کی وجہ سے یہ یہ بلاک وجود میں آئیں گے ان کے اس حسن اختیار یا سوئے (برا) اختیار اور غلط انتخاب کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا ۔

حاصل کلام کہ اس دنیا کے متعلق پورا نقشہ کہ یہ آسمان کے اوپر چھت اور فرش کے لیے زمین اور باقی ضروریات کے لیے پہاڑ ، دریا ، باغ باغیچے اور زمین کے اندر معدنی اشیاء کہاں ہوں گی یا کہاں پر زیادہ ہوں گی اور روشنی کے لیے سورج اور چاند وستارے وغیرہ ہوں گے ان سب کے لیے خاص دائرہ یا جگہ یا حلقہ مقررہ ومعین ہوگا اس کرہ ارض میں سمندر اور دریاوں کی وراثت کس طرح ہوگی ؟ خشکی کی اراضی کس طرح ہوگی ؟ سورج زمین سے کتنا دور ہونا چاہیئے ؟ زمین پر موسموں کا اندازہ اور تقسیم ہونی چاہیئے پھر ان موسمی مضر اثرات سے ، بچاو یا دوسری کائناتی نقصان کار اشیاء سے بچنے کے لیے کیا تدابیر ہونی چاہیئے ؟ اس کے متعلق اللہ تعالی کا علم واندازہ بہرحال اس بڑے گھر جس میں ضروریات کی تمام چیزیں موجود ہوں اس کے مکمل منصوبے کے بعد اس میں بارادہ مخلوق کو بسانے اور اس کے نسلی اضافے کے ان کا کرہ ارض کے مختلف خطوں اور علاقوں میں آباد ہونا اور اس کے بعد اس کے ماحول حالات وکیفیات میں اختلاف کے سبب اسی مخلوق کے احوال واعمال کرنا ، بودوباش میں اختلاف ہوگا اور جن کو جہاں خاص امور سے دوچار ہونا پڑے گا ، اس کے مطابق خود کو ان حالات کے مطابق بنانے کی کوشش کرے گا ، کچھ ناگزیر اسباب کی وجہ سے ان کے عقائد واعمال اخلاق وغیرہ میں اختلاف ہوگا ۔ جس کی وجہ سے منافرت اور ایک دوسرے کے مقابلے بھی ہوں گے اور کئی وجوہ کی بنا پر وہ برائیوں اور بداخلاقیوں میں بھی سب گرفتار ہوں گے ، لیکن اللہ تعالی اپنی حجت پوری کرنے کے لیے ان پر انبیاء بھیجے گا جو نا کو شر سے خیر کی طرف آنے کی دعوت دیں گے اور جنھوں نے ان کی بات کو مانا وہ دونوں جہانوں میں کامیاب ہوں گے اور جنھوں نے ان کی بات کو نہ مانا وہ نتیجتا بڑے وبال سے دوچار ہوں گے یعنی اسی طرف اللہ تعالی کو نہ صرف کلی یا اجمالی طرح بلکہ تفصیلی اور ہر جز کا علم تھا کہ اس آدمی کو یہ باتیں پیش آئیں گی ۔

جس کی وجہ سے یہ ہدایت یافتہ ہوگا اور یہ اسباب سامنے آئیں گے جس کی بنا پر وہ گمراہ ہوگا ۔

اس سے یہ مطلب کہاں نکلتا ہے کہ اللہ تعالی نے خود اس کو اس راستے پر چلایا یا خود اس سے یہ گناہ کا کام کروایا بلکہ حقیقت صرف اتنی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے انسان کو آزمانے کے لیے ارادہ کو عمل میں لانے کے لیے آزادی دی ہے جس کے نتیجے میں لامحالہ وہ طریقے وجود میں آنے تھے اور وجود میں آئے کہ جن کے نتائج بھی لازمی نکلنے تھے مطلب کہ اللہ تعالی نے انسان کو عمل کی آزادی دی ہے تاکہ اس کو آزمایا جائے اور انسان اس آزادی سے کوئی بھی کام لے چاہے اچھا لے یا برا ۔ اپنی مرضی اور ارادے سے اللہ تعالی نے اتنا کیا ہے کہ ایسا نظام قائم کردیا ہے جس سے انسانی ارادے کی آزادی بھی برقرار رہتی ہے اور آزمائش کی صورت بھی عمل میں جاتی ہے ۔

فرض کریں کہ کسی آدمی کے چند نوکر یا ملازم ہوں یا چند بیٹے ہوں وہ ان نمونے اور طرز عمل سے اندازہ لگالیتا ہے کہ فلاں خادم فرمانبردار ہے یا فلاں بیٹا فرمانبردار ہے ، لیکن اگر وہ محض اپنے اندازے کے مطابق ان کے ساتھ نافرمانوں والا سلوک کرے گا تو وہ کہہ سکتے ہیں کہ باباسائیں ہمیں آزمالیتا ، بغیر آزمانے کے ہمارے ساتھ یہ سلوک کرتا ہے یا یہ سزادیتا ہے ان کی اس حجت کو ختم کرنے کے لیے ان پر کوئی کام رکھتا ہے یا ان کو کوئی ذمہ داری دیتا ہے ، پھر وہ فرمانبرداری یا نافرمان اس ذمہ داری پوری کرنے یا نہ کرنے کی وجہ سے مالک یا باپ کی طرف سے مناسب سلوک یا جزاو سزا پالیں تو ان کو یہ حق کہاں ہے کہ وہ کہہ دیں ہم ایسے ہیں اس لیے اس کے علاوہ کیا بن سکتے تھے ۔

کیونکہ اس آدمی کا علم ان کے طرز عمل کے سبب تھا ، لہذا اس علم کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس نے ان کو مجبور کیا ، اسی طرح اللہ سبحانہ وتعالی نے تو تمام انسانوں کی فطرت صحیح سالم پیدا کی ہے ، لیکن اس دنیا میں آنے کے بعد اس عالم کے جو اسباب اس کے سامنے آئے ہیں ان کو اپنی مرضی سے اختیار کرنے کے سبب وہ نتائج اس کے دامن میں پھنس جاتے ہیں ، یہاں ہم انسانوں کو لوگوں کے طرز عمل سے اندازہ ہوجاتا ہے لیکن وہ طرز عمل کس سبب سے ہوا وہ کبھی معلوم ہوجاتا ہے کبھی نہیں ہوتا ۔ لیکن اللہ تعالی کو معلوم ہے کہ اس کو یہ اسباب سامنے آئیں گے جس وجہ سے وہ اپنی آزادی کے اختیار کے مطابق اس کو اپنائے گا اور نتیجہ بھگتے گا ، تو یہ آزادی آزمائش کے لیے ضروری تھی ۔

دوسری مثال : ایک ماہر ڈاکٹر کسی مریض کے چیک اپ کے بعد اس کو کہہ دے کہ یہ نہیں بچے گا پھر وہ آدمی واقعتا مرگیا تو کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ اس ڈاکٹر نے اس کو مار ڈالا ہے ؟ ہرگز نہیں ! ڈاکٹر تو اس کی بیماری کی نوعیت اور کیفیت ڈگری اور درجے کے علم کے مطابق اس بات کا اظہار کیا البتہ یہ بیماری اس اسٹیج پر کیسے پہنچی یا شروع کیسے ہوئی اس کا پتہ کبھی کبھی ہوتا ہے تو کبھی کبھی نہیں ہوتا ، لیکن اللہ تعالی کو ہر انسان کی جسمانی یا روحانی بیماری

کا علم ہوتا ہے اور اس کے پیدا ہونے کا بھی علم ہوتا ہے تو کیا یہ علم اعتراج جیسی بات ہے؟

بہر حال اس عالم کا اس مکمل نقشے یا خاکے کے علم اور اندازے کے بعد اللہ تعالی نے اس کو ایک کتاب میں ثبت کر دیا ہے جس کو وہ ''قرآن مبین'' یا ''امام مبین'' سے پکارتا ہے، مطلب کہ تقدیر کی معنی ہے علم یا اندازہ تو اس میں کیا خرابی ہے؟ اس سے تو اللہ سبحانہ وتعالی کے علم اور اندازے کی وسعت معلوم ہوئی جو کہ اس کی کمال کی صفت ہے اس میں کوئی بھی خرابی نہیں ہے۔ یہاں اگر اللہ تعالی یہ لکھ دیتے کہ فلاں بندے تو نے یہ کام کرنا ہے اور فلاں تو نے یہ کام کرنا ہے تو اس صورت میں کچھ بولنے کی گنجائش ہو سکتی تھی لیکن اس طرح نہیں، اس نے تو یہ لکھا ہے کہ فلان آدمی ان وجوہات کی بنا پر اپنی آزادی سے کام لے کر یہ کام کرے گا خدارا انصاف کریں اس میں کیا خرابی ہے؟ کہ کون سی اعتراض جیسی بات ہے؟

جب کہ اس کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ تعالی کے علم وحکمت، تقدیری اندازے کا بے انداز اور بے شمار ثبوت فراہم کر رہا ہے، تو انسان کے متعلق اس کے علم و اندازے کا انکار کیوں؟

یہاں پر یہ سوال بالکل فضول ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالی کیوں انسان کے سامنے یہ مختلف اسباب لائے ہیں جن کی وجہ سے وہ خیر اور شر کے مختلف حصوں میں تقسیم ہوگئے ہیں کیوں نہ ان کے سامنے ایک ہی راستہ لائے؟ اس لیے کہ اس صورت میں انسان مشینی صفت کی ایک مخلوق ہوتا اور ایک ہی راہ کو لے چلتا اور اس میں اس کے ارادے یا عمل کا کوئی دخل نہ ہوتا، اس حالت میں امتحان یا آزمائش والی بات سراسر مہمل اور بیکار ہو جاتی کہ اس کو کسی راستے اختیار کرنے کا کوئی اختیار ہی نہیں ہے اس لیے آزمائش کس چیز کی؟ بہر حال ابتلاء اور آزمائش اور کے لیے دونوں راستوں کا ہونا اور انسان کے سامنے پیش آنا اٹل اور ضروری تھا تاکہ ان میں خود جس کو چاہے اس کو اختیار کر لے، دنیا کمال حاصل کر لے یا اپنی لیاقت اور صلاحیت کو ضائع کر کے ترقی اور فلاح کا دروازہ خود ہی بند کر دے۔ یہ حقیقت اس قدر واضح ہے جس کا انکار سوائے ضد اور عناد کے ممکن ہی نہیں ہے۔ یہاں پر یہ سوال بھی قابل دریافت ہے کہ تقدیر کے متعلق سوالات ملحد (اللہ تعالی کے وجود کا انکاری) ان کی طرف سے پیش ہوئے ہیں یا کسی مسلمان جاہل کی طرف سے، اگر پہلی شق ہے تو در حقیقت ان سوالات کے جوابات دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ تقدیر یا علم و اندازہ یہ اللہ سبحانہ وتعالی کی صفت ہے جو شخص اللہ سبحانہ وتعالی کے وجود ہی کا منکر ہے اس کے ساتھ اللہ سبحانہ وتعالی کی صفت کے بارے میں بحث کرنا سراسر بیکار اور فضول ہے، بحث ومناظرے کے طریقے بھی برخلاف ہے تو وقت کا بھی ضیاع ہے۔

صفت کی ذات کی فرع ہوتی ہے، جب کوئی ذات ہی کو نہیں مانتا تو اس کی صفت یا خوبی اور کمال پر بحث کرنا یا اس کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے چھان بین کرنا سراسر غیر معقول ہے۔ ان حضرات کے ساتھ اللہ سبحانہ وتعالی کی ذات کے بارے میں بحث کرتے ہوئے دلائل پیش کرنے چاہیئں۔ پھر جب وہ اللہ سبحانہ وتعالی کے وجود کے دل سے اقراری بنے تو پھر صفات کے متعلق تحقیق ہونی چاہیے اور حق کو معلوم کرنا چاہیے۔ یہ حضرات تو اللہ سبحانہ وتعالی کے وجود کے ہی منکر ہیں۔ باقی ایسے سوالات صرف لوگوں کو سمجھانے کی خاطر کرتے رہتے ہیں یہ طریقہ کار درست نہیں ہے اس طرح حق واضح نہیں ہوگا۔

لیکن اگر یہ سوال کسی جاہل مسلمان کی طرف سے ہے تو اس کو حکمت موعظہ حسنہ اور نرم و شیریں الفاظ میں پوری حقیقت سمجھانی چاہیے کہ ''بھائی تقدیر کا معنی ہے اللہ سبحانہ وتعالی کا اندازہ یا علم، لہذا اگر قائل نہیں ہوا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہمارا معبود اللہ سبحانہ وتعالی جس نے اس پوری کائنات کو پیدا کیا اور کائنات کے ذرے ذرے میں بے شمار حکمتیں رکھیں جس کے قلیل انداز کو اہل علم وسائنس روز بروز کائنات کے مظاہر سے اخذ اور استنباط کرتے رہتے ہیں۔ یہ معبود (معاذ اللہ) کوئی جاہل معبود نہیں جس کو کوئی پتہ ہی نہیں ہے کہ اس کی پیدا کردہ مخلوق کیا کام کر رہی ہے یا کرے گی، یعنی نعوذ باللہ اس نے صرف اس مخلوق کو پیدا کر دیا باقی اس کو یہ پتہ ہی نہیں تھا کہ اس میں صلاحیتیں اور لیاقتیں ہیں اور ان استعداد کے موجب ان سے کون سے کام صادر ہوں گے، حالانکہ کوئی بھی انسان کوئی چیز یا مشین وغیرہ ایجاد کرتا ہے تو اس کو یہ بھی پتہ ہوتا ہے کہ یہ چیز کس کام کی ہے اس سے کیا فائدے اور کیا نقصانات ہوں گے، مگر اللہ تعالی کے متعلق یہ نہایت بدترین اور گھٹیا تصور ہے کہ اس کو کوئی پتہ ہی نہ تھا۔ (فیا للعجب)

اس تھوڑی سی حقیقت پر نظر ڈالو گے تو زیادہ الجھن اور خسارے سے بچاؤ ہو جائے گا۔

اس سوال کا جواب زیادہ لمبا ہو گیا ہے، لیکن کیا کریں میرے خیال میں اتنی تفصیل میں جائے بغیر سوال کا جواب شاید سمجھ میں نہ آتا۔ بہر کیف سوال کا جواب آپ کے سامنے ہے اگر ٹھیک ہے، تو یہ اللہ سبحانہ وتعالی کی مہربانی ہے جس نے مجھے اس کا علم دیا اور اس کے لکھنے کی توفیق دی اور اگر خدانخواستہ صحیح نہیں ہے تو یہ میرے نفس کی نادانی اور قلم کی کمزوری ہے۔

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب